
انتقام
از قلم: سحر
پیشکش: فہیم ناول وڈائجسٹ
راجپوت میڈیا سروس
رانا محمد عظیم رضوی
رابطہ: 03496611594

یااللہ عزّوجل　　　　تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد　　　　یارسول اللہ ﷺ

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

معزز ممبران: آپ کا گروپ ایڈ من رانا محمد عظیم رضوی آپ سے مخاطب ہے۔

سب سے اہم بات:

راجپوت میڈیا سروس کے کسی بھی گروپ میں قادیانی، مرزائی، احمدی، لاہوری گروپ، گستاخ رسول ﷺ، گستاخ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہما، گستاخ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم، گستاخ اہلبیتِ اطہار رضی اللہ تعالی عنہم، مرزا انجینیئر عرف پلمبر کے اسٹوڈنٹس یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے ذہنی و اخلاقی طور پر معاون یا حامی ہوں ان کے لیئے گروپ میں کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے اشخاص کسی بھی صورت گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فی الفور خارج (ریموو) کر دیا جائے گا۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ درج ذیل نکات کو توجہ سے پڑھ لیں۔

- گروپ میں صرف PDF فائل ارسال کی جاتی ہیں۔
- گروپ میں تعلیم یافتہ سمجھدار و دانا ممبران موجود ہیں۔ اس لیے اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے ہوئے گروپ کے قواعد و ضوابط پر عمل کریں۔ بصورتِ دیگر معزز ممبران کی بہتری کے لیے آپ کو گروپ سے خارج (ریموو) کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی دوسرے ممبر کے انباکس میں کسی بھی قسم کا پیغام، کال یا مس کال نہیں کرے گا۔ شکایت موصول ہونے پر فوراً کاروائی کرتے ہوئے راجپوت میڈیا سروس کے ماتحت تمام گروپوں سے خارج (ریموو) کر دیا جائے گا۔
- اگر کسی بھی ممبر کو گروپ سے متعلق کسی بھی قسم کی تجویز یا شکایت ہے تو ایڈ منز سے رابطہ کیجئیے۔
- گروپ میں ارسال کی جانے والی تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے ارسال کی جاتی ہیں۔ جو کتاب دستیاب نہیں ہوتی اس کے لیے معذرت کر لی جاتی ہے۔
- راجپوت میڈیا سروس کے تمام گروپس میں شامل ہونے کے لیے دیئے گئے ایڈ منز کے واٹس ایپ نمبرز پر صرف بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار کریں۔

نوٹ: راجپوت میڈیا سروس کے کسی بھی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب گروپ فی سبیل اللہ ہیں۔ صرف آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

رانا محمد عظیم رضوی
http://wa.me/923496611594

قاری فیاض احمد چشتی
http://wa.me/923008100974

سنی اسلامک کتب:
https://chat.whatsapp.com/G4Md8bKJjHL0BYOYupOXg9

فہیم کتاب گھر:
https://chat.whatsapp.com/KeRU6XFkqARKwDUgsU0Izg

فہیم ناول وڈائجسٹ:
https://chat.whatsapp.com/JrIUKJcqnqNI1RwLamthSi

راجپوت میڈیا سروس گروپس لنکس

گروپ میں ایڈ ہونے کے لیئے گروپ کے نام یا تصویر پہ کلک کریں

راجپوت میڈیا سروس (بوائز)

فہیم ناول وڈائجسٹ

راجپوت میڈیا سروس (گرلز)

فہیم کتاب گھر

فہیم اخبار و میگزین

سُنّی اسلامک کتب

اسلامی و اصلاحی تحریریں

اداس لوگ سنہری یادیں

سُنّی اسلامک کتب ٹیلی گرام چینل

فہیم کتاب گھر ٹیلی گرام گروپ

لنک ری سیٹ ہونے یا کام نہ کرنے کی صورت میں اس نمبر پر رابطہ کریں

رانا ایم اے رضوی 0349661594

انتقام

محترم قارئین!

راجپوت میڈیا سروس (RMS) کے تحت نئی ابھرتی ہوئی مصنفہ سحر صاحبہ کا نیا ناول (انتقام) آپ لوگوں کے لیے پی ڈی ایف کتابی صورت میں پہلی بار فہیم ناول و ڈائجسٹ کی جانب سے پیشِ خدمت ہے۔

راجپوت میڈیا سروس کی جانب سے مشہور و معروف مصنفین کے ناولز پی ڈی ایف میں دستیاب ہیں اور نئے مصنفین کے ناولز کہانیوں اور افسانوں کو پی ڈی ایف کی زینت بنا کر آپ لوگوں کے خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

سحر صاحبہ کے واٹس ایپ چینل کا لنک درج ذیل ہے۔ جلدی سے چینل کو فالو کریں اور دیگر احباب سے بھی فالو کرائیں اور لنک کو آگے شیئر کریں۔

واٹس ایپ چینل لنک: https://chat.whatsapp.com/LAsuEepIsL1HbVCIz59O4w?mode=ac_t

دعاؤں کا طالب: رانا محمد عظیم رضوی

واٹس ایپ لنک: http://wa.me/923496611594

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحمت والا ہے۔

انتقام

سورج کی روشنی نرم سنہری کرنوں کی صورت خان ہاؤس کی بلند و بالا دیواروں پر بکھر رہی تھی۔ صحن میں ہلکی ہوا درختوں کے پتوں کو چھو کر گزر رہی تھی۔ خان ہاؤس ہمیشہ کی طرح صبح کے وقت زندگی کی ہلچل سے بھرا ہوا تھا۔

اسی دوران صحن کے بڑے دروازے سے چنگیز خان اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، اور نگاہوں میں اپنے باپ کو دیکھنے کی چمک۔ اندر آتے ہی اس نے تیزی سے قدم بڑھائے اور جا کر اپنے باپ قلیم اللہ خان کے گلے لگا۔ قلیم اللہ خان نے بیٹے کو شفقت سے تھپکی دی، جیسے اس کی آمد نے اس کے دن کو روشن کر دیا ہو۔

گھر کے دوسرے حصوں میں زندگی اپنی روانی سے جاری تھی۔

ایک طرف زلیخا خان ملازماؤں کو ہدایات دے رہی تھی کہ پورے ڈرائنگ روم کی اچھی طرح صفائی کی جائے، پردے جھاڑے جائیں اور قالین پر جمی گرد صاف کی جائے۔ اس کے لہجے میں رعب اور ترتیب تھی، جیسے وہ اس گھر کی اصل منتظم ہو۔

دوسری طرف، باورچی خانے سے چائے کی خوشبو آرہی تھی، جہاں مسکان خان خود کچن میں کھڑی ملازمہ کو بتا رہی تھی کہ کس طرح چائے میں الائچی اور دودھ کی مقدار بڑھائی جائے تاکہ قلیم اللہ خان کو پسند آئے۔ وہ چاہتی تھی کہ سسر کے لیے اپنی محبت اور توجہ ظاہر کرے۔

اسی دوران، صحن میں ایک نوجوان کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ وہ تھا زبیر خان، بہادر خان کا بڑا بیٹا، پچیس سالہ، جس کے چہرے پر سنجیدگی اور سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ قریب ہی لان کے ایک کونے میں زنیرا خان، بیس سالہ نازک اندام لڑکی،

رنگ برنگے پھولوں کو پانی دے رہی تھی۔ اس کی ہنسی ہوا میں گھل کر ایک معصومیت کا رنگ بھرتی تھی۔

کچھ فاصلے پر، خان ہاؤس کی سیڑھیوں کے قریب، دو نوجوان آپس میں کسی بات پر بحث کرتے دکھائی دیے۔ یہ تھے کبیر خان اور سمیر خان، جو آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھنے کی عادت رکھتے تھے۔ کبیر کی آنکھوں میں سختی اور ضد جھلکتی تھی، جب کہ سمیر کے چہرے پر شرارت اور ہلکی مسکراہٹ، جیسے وہ ہر وقت کسی نہ کسی مذاق کے موڈ میں رہتا ہو۔

اور سب سے الگ، خان ہاؤس کے سب سے پرانے کمرے میں، ایک کرسی پر بیٹھا وقار اور رعب کی علامت، بہادر خان خود موجود تھا۔ اس کے سامنے چائے کا خالی کپ رکھا ہوا تھا اور وہ اپنے بیٹے زبیر کی طرف گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔

یہ تھا خان ہاؤس...

جہاں طاقت، رعب، محبت اور ضد ایک ہی چھت تلے جمع تھیں۔

یہ وہ گھر تھا جہاں ہر فرد اپنی الگ پہچان رکھتا تھا، لیکن ایک دوسرے کے ساتھ جڑی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔

کرداروں کا تعارف:

بڑا بھائی: بہادر خان، اپنی سخت مزاجی اور رعب دار شخصیت کے لیے مشہور۔

اس کی بیوی: زلیخا خان، گھر کی سب سے بڑی ذمہ دار اور منتظم۔

بہادر خان کا بیٹا: زبیر خان، پچیس سالہ، سنجیدہ اور باپ کا سایہ۔

بیٹی: زنیرا خان، بیس سالہ، معصومیت اور نرمی کی علامت۔

چھوٹا بھائی: چنگیز خان، جو ہر کسی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کا ہنر جانتا ہے۔

چنگیز کی بیوی: مسکان خان، محبت اور ہنر سے بھری عورت۔

ان کے بیٹے: کبیر خان، اکیس سالہ، ضدی اور سخت مزاج، اور سمیر خان، بیس سالہ، شوخ اور شرارتی۔

اور ان سب کا مرکز، ان سب کی بنیاد: قلیم اللہ خان، بزرگ اور خان ہاؤس کی پہچان۔

یہ سبھی کردار اپنی اپنی دنیاؤں میں مصروف تھے، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس خاموش سے نظر آنے والے گھر میں ایک طوفان آنے والا ہے...
ایک ایسا طوفان... جو سب کچھ بدل دے گا۔

سبزے سے ڈھکے اونچے درختوں کے بیچ ایک پر سکون سا مکان تھا... خان کوٹج۔
یہ وہ جگہ تھی جو بظاہر ایک چھوٹا سا کوٹج تھا، مگر اس کے اندر بسنے والے لوگ محبت، سکون اور خلوص کی ایک الگ ہی دنیا رکھتے تھے۔

اس دن خان کوٹج کی گلیوں میں ہنسی کی گونج سنائی دے رہی تھی۔
کمرے کے اندر، ایک نازک سی لڑکی بار بار ضد کر رہی تھی۔
یہ تھی گلِ خان ــــــ روشن آنکھوں والی، چنچل مزاج، خواب دیکھنے والی۔ وہ اپنی ضد میں کبھی ہنستی تو کبھی روٹھنے کی ادا بناتی۔

اس کے ساتھ کھڑا اس کا بھائی زید خان تھا ــــــ پُر اعتماد، مضبوط، مگر بہن کی ہر ضد کے آگے نرم۔ وہ بار بار اپنی ماں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"امی... پلیز... ایک دفعہ جانے دیں نا جھیل پر۔ سب کہتے ہیں وہ جگہ کتنی حسین ہے۔"

زید نے نرمی سے کہا۔

سحرش خان — ایک سنجیدہ مگر محبت کرنے والی ماں، سختی اور نرمی کا حسین امتزاج۔ اس نے بیٹے اور بیٹی کی طرف دیکھا، اور کچھ سختی کے ساتھ بولی:
"میں نے کہا نا! وہاں نہیں جانا۔ وہ جگہ ہماری نہیں ہے... وہ قلیم اللہ خان کی زمین ہے۔ اور ہم وہاں قدم نہیں رکھ سکتے۔"

گلِ نے منہ پھُلا لیا، آنکھوں میں پانی سا اُتر آیا۔
"امی... ہم تو دشمنی ختم کرنے آئے ہیں نا؟ پھر یہ ڈر کیسا؟"

زید نے بھی بات بڑھائی:
"امی، آپ ہمیشہ ہمیں قلیم اللہ خان کے قصے سناتی رہتی ہیں... لیکن یہ بات بھی تو سچ ہے کہ اب ہم اسلام آباد سے یہاں اسی لیے آئے ہیں کہ سب کچھ ختم ہو جائے۔ تو پھر جھیل پر جانے میں کیا حرج ہے؟"

سحر ش خان نے گہری سانس لی اور کچھ دیر خاموش رہی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور اندر آئے حنیف خان——اونچا قد، دبنگ آواز، مگر دل سے نہایت نرم۔ یہ گلؔ اور زید کے باپ اور سحر ش کے شوہر تھے۔
ان کے اندر ایک ایسا وقار تھا جو دور سے دیکھنے پر رعب ڈالے، لیکن قریب آنے پر محبت کا سمندر لگے۔

زید اور گلؔ نے فوراً دوڑ کر باپ کا ہاتھ تھام لیا۔
"ابّو! آپ امیؔ کو منائیں نا، ہم جھیل دیکھنے جانا چاہتے ہیں!"

گلؔ نے شرارت سے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
زید نے ساتھ ساتھ کہا:
"آپ ہی تو کہتے ہیں کہ زندگی دشمنی میں نہیں، خوشی میں گزارنی چاہیے۔ تو پھر دشمنی چھوڑ کر آئی ہوئی فیملی کو یہ چھوٹی سی خوشی کیوں نہیں مل سکتی؟"

حنیف خان نے بیٹے کی بات پر مسکرا کر سحرش کی طرف دیکھا۔

"کیا خیال ہے سحرش؟ بچے ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ ہم اسلام آباد کی اونچی عمارتیں چھوڑ کر یہاں آئے ہیں...تاکہ دشمنی کا بوجھ ختم کریں، پرانی رنجشیں پیچھے چھوڑ دیں۔ تو پھر ایک جھیل دیکھنے جانے میں کیا برائی ہے؟"

سحرش خان نے پہلے انکار کے انداز میں گردن ہلائی، لیکن جب شوہر نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تو اس کی آنکھوں میں بھی ایک سکون سا اتر آیا۔

"ٹھیک ہے...جاؤ...لیکن وعدہ کرو کہ کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔"

گلِ نے خوشی سے باپ کو گلے لگا لیا۔

زید کے چہرے پر بھی خوشی کی روشنی پھیل گئی۔

اور حنیف خان نے اپنے گھر والوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا:

یہی تو میرا خواب ہے...ایک ہنستی مسکراتی فیملی، جہاں سب ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

خان کوٹج کے کردار:

حنیف خان ← مضبوط مگر محبت کرنے والا باپ، جو دشمنی ختم کر کے نئی زندگی شروع کرنے آیا ہے۔

سحرش خان ← سنجیدہ، عقل مند ماں، جو اپنی فیملی کی حفاظت کے لیے ہر وقت فکر مند رہتی ہے۔

زید خان ← تیس سالہ پُراعتماد بیٹا، بہن کا سہارا، اور ماں کا فرمانبردار۔

گلِ خان ← اٹھائیس سالہ، شوخ، نازک مزاج لڑکی، خوابوں میں جینے والی اور سب کی لاڈلی۔

یہ تھا خان کاٹیج...

جہاں اسلام آباد کی پرانی یادوں کو پیچھے چھوڑ کر، ایک خاندان اپنی محبت اور ہنسی کے ساتھ نئی زندگی شروع کر رہا تھا۔

انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ جھیل... جس کے لیے ابھی بچے ضد کر رہے ہیں... آنے والے وقت میں دشمنی اور انتقام کی ایک نئی آگ بھڑکانے والی ہے۔

جھیل کے کنارے ہلکی ہوا چل رہی تھی۔

پانی پر سورج کی سنہری کرنیں چمک رہی تھیں، جیسے کسی نے نیلے آئینے پر سونا بکھیر دیا ہو۔ درختوں کی شاخیں جھیل کے پانی پر سایہ ڈال رہی تھیں اور پرندوں کی چہچہاہٹ ماحول کو مزید حسین بنا رہی تھی۔

گلِ خان اپنے سفید لباس میں جھیل کے پاس کھڑی تھی۔ ہوا اس کے بالوں کو بکھیر رہی تھی، اور وہ بار بار اپنے بھائی زید خان کو کہہ رہی تھی:

"زید! جلدی نا... میری اور تصویریں بناؤ... دیکھو روشنی کتنی پیاری ہے!"

زید، بہن کی ضد پر مسکرا رہا تھا۔

''تمھاری تصویریں تو ایسے ہیں جیسے جھیل کے ساتھ کوئی پھول کھڑا ہو...ایک اور بنا دیتا ہوں، لیکن بس یہ آخری۔''

گل ہنستے ہوئے مختلف انداز سے کھڑی ہو جاتی، کبھی پانی کی طرف دیکھتی، کبھی ہاتھ پھیلا کر آسمان کو۔ وہ دونوں اپنی ہی مگن دنیا میں کھوئے ہوئے تھے، جیسے باہر کی دنیا ان کے لیے رک گئی ہو۔

لیکن اچانک...

اس لمحے کے سکون کو ایک بھاری آواز نے توڑ دیا۔

جھیل کے کچے راستے پر ٹائروں کی چرچراہٹ سنائی دی۔

ایک سیاہ جیپ دھول اڑاتی ہوئی قریب آکر رکی۔

زید نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔

گلِ کا دل بے وجہ تیزی سے دھڑکنے لگا۔

جیپ کا شیشہ نیچے ہوا، اور اندر بیٹھا شخص سیدھی نظریں ان پر گاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

وہ تھا چنگیز خان۔

اس کی نگاہیں عجیب تھیں... بھاری، کاٹ دار، اور جیسے دل کو چیر کر اندر تک اتر جائیں۔

گلِ نے انجانی بے چینی کے ساتھ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

چنگیز خان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

لیکن اس لمحے...

گلِ نے نظریں جھکا لینے کے بجائے، اسے سخت غصّے سے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں صاف لکھا تھا کہ اسے یہ شخص بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔

وہ مسکراہٹ جو شاید کسی اور کو بھلی لگتی، گلِ خان کو زہر سے بڑھ کر ناگوار گزری۔

چند لمحوں کے اس ٹکراؤ کے بعد، چنگیز خان نے جیپ کا رخ موڑ لیا۔

اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جیسے وہ سب کچھ دیکھ چکا ہو...اور اب اسے بس آگے بڑھنا ہو۔

جیپ دھول اڑاتی ہوئی ڈیرے کی طرف نکل گئی...

جہاں آج ایک بڑا جرگہ ہونا تھا۔

ایک ایسا جرگہ... جس میں خان خاندان کی پرانی دشمنی پر آخری فیصلہ ہونا تھا۔

گلِ اور زید ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

وہ لمحہ، وہ نظر، وہ مسکراہٹ... گلِ کے دل میں ایک خراش کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

اسے اندازہ نہ تھا کہ یہی پہلی نظر، آنے والے دنوں میں اس کی زندگی کو کس طرح بدل دے گی۔

ڈھلتی شام کے سائے گاؤں کے پرانے ڈیرے پر پھیل رہے تھے۔ فضا میں سنجیدگی اور سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ لکڑی کے بڑے دروازے کھلے اور ایک ایک کر کے قبیلے کے سردار اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ اندر آنے لگے۔

سب سے پہلے قلیم اللہ خان آیا۔ اونچا قد، سفید داڑھی اور آنکھوں میں وہی پرانا غرور۔ اس کے پیچھے بہادر خان اور چنگیز خان کھڑے تھے۔ چنگیز خان کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح وہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی جس سے دوست بھی بے چین اور دشمن بھی پریشان ہو جاتے تھے۔

کچھ دیر بعد ڈیرے کا دروازہ پھر کھلا۔

اس بار حنیف خان اپنے بیٹے زید خان کے ساتھ داخل ہوا۔ حنیف کی آنکھوں میں وقار اور لہجے میں سنجیدگی تھی۔ زید ایک جواں سال، مضبوط، اور پُرعزم جوان تھا جو اپنے باپ کے ساتھ ہر لمحہ کھڑا رہتا۔

جرگہ شروع ہوا۔

بیچ میں قریبی گاؤں کا سردار رحمت خان تخت پر بیٹھا، سب کی خاموش نظریں اسی پر ٹک گئیں۔

قلیم اللہ خان نے سب کے سامنے گہری آواز میں کہا:

"رحمت خان... برسوں کی دشمنی نے ہمیں صرف نقصان دیا ہے۔ خون بہا، لوگ مارے گئے، زمینیں ویران ہوئیں۔ آج فیصلہ ہونا چاہیے کہ یہ آگ بجھنی ہے یا مزید بھڑکانی ہے۔"

رحمت خان نے نگاہ حنیف پر ڈالی۔

"تم کیا چاہتے ہو، حنیف خان؟ دشمنی ختم یا مزید خون؟"

حنیف خان نے بلند لہجے میں جواب دیا:
"میں نفرت نہیں چاہتا۔ میں نے اسلام آباد چھوڑا تاکہ اپنے گاؤں میں امن دیکھ سکوں۔ میرا فیصلہ ہے کہ دشمنی ختم ہونی چاہیے۔"

رحمت خان نے سر ہلایا اور کہا:
"اچھا... تو آج یہاں امن قائم ہو گا۔ لیکن صلح کی کوئی بنیاد، کوئی شرط بھی ہونی چاہیے تاکہ کل یہ دشمنی پھر سر نہ اٹھا سکے۔"

یہ سنتے ہی چنگیز خان آگے بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی تھی۔
وہ دھیرے سے مسکرایا اور بولا:
"شرط ہے۔ دشمنی ختم ہو گی... مگر اس شرط پر کہ حنیف خان کی بیٹی کا رشتہ مجھے دیا جائے۔ جب خون کے رشتے جڑ جائیں گے، تب ہی صلح پائیدار ہو گی۔"

پورے ڈیرے میں ایک لمحے کو سنّاٹا چھا گیا۔
سب کی نظریں حنیف خان پر جم گئیں۔

حنیف کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے زید کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور بلند آواز میں کہا:

''چنگیز خان! تم نے امن کا نہیں، بے عزتی کا سودا پیش کیا ہے۔ میرا خاندان امن چاہتا ہے مگر عزت بیچ کر نہیں۔ میری بیٹی کوئی معاہدے کی شرط نہیں ہے۔ یاد رکھو... اگر صلح کا مطلب یہ ہے تو میں ایسے امن کو کبھی قبول نہیں کروں گا۔''

چنگیز خان نے ہلکی سی ہنسی ہنس دی، جیسے حنیف کے غصے کو وہ محض کمزوری سمجھ رہا ہو۔

''سوچ لو، حنیف خان... دشمنی کے بدلے ایک رشتہ دینا زیادہ آسان ہے، ورنہ... خون کا حساب ختم نہیں ہو گا۔''

رحمت خان نے صورتحال کو قابو میں کرنے کے لیے آواز بلند کی:

''بس! یہ جرگہ امن کے لیے ہے، ضد اور انا کے لیے نہیں۔ فیصلہ کل تک ملتوی ہو گا۔''

ماحول میں کشیدگی بڑھ گئی۔

حنیف خان اور زید ڈیرے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حنیف کی آنکھوں میں طوفان تھا، اور زید کے دل میں عہد کہ اگر دشمنی دوبارہ بھڑکی تو وہ اپنے باپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دے گا۔

چنگیز خان تخت پر بیٹھا مسکراتا رہا... جیسے اسے یقین ہو کہ یہ دشمنی ختم نہیں ہو گی، بلکہ اب ایک نئے رخ پر شروع ہونے والی ہے۔

رات کے سناٹے میں حنیف خان کے قدموں کی چاپ صحن میں گونج رہی تھی۔ وہ جرگے سے واپس آیا تو اس کے چہرے پر غصے کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی

گھبراہٹ بھی چھپی تھی۔ چارپائی پر بیٹھتے ہی اس نے بھاری سانس بھری، جیسے سینے پر کوئی بوجھ رکھا ہو۔

زید خاموشی سے پاس کھڑا تھا۔ آخر ہمت کر کے بولا:

"ابا جان... یہ کیسی شرط تھی؟ ہماری عزت کا سوال ہے۔ اگر یہ صلح ہے تو اس سے بہتر ہے کہ دشمنی باقی رہے۔"

حنیف کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو غیرت کی چمک ابھری۔ وہ بلند آواز میں بولا:

"زید! میں نے بھی اسی لیے جواب دیا ہے۔ حنیف خان اپنی بیٹی کو کسی کی شرط پر نہیں دیتا۔ یہ صلح نہیں، ہماری توہین ہے!"

مگر جیسے ہی یہ الفاظ اس کے ہونٹوں سے نکلے، اس کے دل میں ایک کانٹا سا چبھا۔ وہ جانتا تھا کہ چنگیز خان ایسا دشمن ہے جو نہ بھولتا ہے، نہ چھوڑتا ہے۔ وہ ان پڑھ اور جاہل سہی، مگر ایک بات پر ڈٹ جائے تو خون بہائے بغیر پیچھے نہیں ہٹتا۔

زید نے پرعزم لہجے میں کہا:

''ابا! اگر اس نے للکارا ہے تو ہم بھی ڈٹیں گے۔ خانوں کی غیرت کسی شرط پر نہیں بکتی۔''

حنیف نے بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک انجانی پریشانی چھپی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ دشمنی کی آگ بھڑکی تو نقصان سب سے زیادہ گھر کی عزت کو ہوگا۔

اسی رات، جب زید اپنے کمرے میں جا چکا، حنیف خان دیر تک صحن میں ٹہلتا رہا۔ پھر اچانک اس نے جیب سے موبائل نکالا اور کانپتے ہاتھوں سے ایک نمبر ملایا۔ فون دوسری طرف اس کی بہن نے اٹھایا۔

''السلام علیکم، باجی...'' اس کی آواز بوجھل تھی۔

''وعلیکم السلام حنیف، خیر تو ہے؟ اس وقت فون...؟''

حنیف نے گہرا سانس لیا اور بولا:

"باجی... بات سنو۔ دو دن کے اندر اندر بارات لے کر آ جانا۔ گل کو حذیفہ کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر بہن کی حیران آواز سنائی دی:

"کیا؟ اتنی جلدی کیوں؟ ابھی تو تم لوگوں کا ارادہ بھی نہیں تھا..."

حنیف نے تیز لہجے میں کہا:

"مت پوچھو باجی! بس میری بات مان لو۔ چنگیز خان کو تم جانتی ہو۔ وہ جس بات پر اڑ جائے، پھر پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس نے آج جرگے میں جو کہا... میں اپنی بیٹی کو اس ذلت کے دہانے پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے فیصلہ کر لیا ہے۔"

بہن نے کچھ کہنا چاہا مگر حنیف نے سختی سے بات کاٹی:

"یہ بات صرف تم جانتی ہو۔ نہ زید کو پتا چلے، نہ گل کو۔ ورنہ وہ سوالوں میں مجھے جکڑ لیں گے۔ یاد رکھنا، دو دن کے اندر اندر بارات آنی چاہیے۔"

فون بند کر کے وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ پسینے کی بوندیں اس کے ماتھے پر ابھر آئیں، حالانکہ رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ یہ فیصلہ اس کی مجبوری ہے۔ بظاہر اس نے جرگے میں غیرت کا اعلان کیا تھا، لیکن اندر سے خوف نے اسے ہلا ڈالا تھا۔ چنگیز خان کا قہقہہ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہا تھا... وہ قہقہہ جو زہر سے بڑھ کر تھا۔

حنیف نے آنکھیں موند لیں۔

"یہ راز گل تک نہیں پہنچنا چاہیے..." وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ورنہ وہ سوچے گی کہ اس کا باپ دشمن کے خوف سے جھک گیا۔ اور یہ بات مجھے گوارا نہیں۔"

صحن کی تاریکی میں حنیف خان کی بےچینی اور خاموشی ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھی۔ آنے والے دن ایک بڑے طوفان کی خبر دے رہے تھے۔

سورج کی پہلی کرنیں حویلی کی دیواروں سے جھانک رہی تھیں۔ صحن میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے مگر حنیف خان کے دل کی گھبراہٹ کم نہ ہوئی۔ رات بھر کی بے چینی کے بعد آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ راز زیادہ دیر اپنے تک نہیں رکھ سکتا۔

وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا جہاں زید اور اس کی ماں صبح کی چائے کے لیے بیٹھے تھے۔ دونوں نے باپ کے چہرے پر عجیب سا سکوت دیکھا، جیسے کسی نے اس کے اندر کی روشنی بجھا دی ہو۔

حنیف نے بھاری لہجے میں کہا:

"بیٹا زید...اور تم بھی سنو بیگم... آج جو کچھ جرگے میں ہوا، وہ تمہیں جاننا چاہیے۔"

زید چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"ابا جان! آپ رات بھر پریشان لگ رہے تھے... کیا ہوا تھا وہاں؟"

حنیف نے گہرا سانس لیا، پھر آہستہ آہستہ ساری روداد سنانی شروع کی۔ اس نے بتایا کہ چنگیز خان نے صلح کی شرط رکھی کہ گل کی شادی اس سے کر دی جائے۔ اس نے سب کے سامنے انکار کیا، غیرت اور عزت کا حوالہ دیا۔ مگر ساتھ ہی اندرونی خوف کی وجہ بھی چھپائی نہیں — کہ چنگیز خان اپنی بات سے پیچھے ہٹنے والا نہیں۔

بیوی کے لبوں سے بے اختیار صدمے بھری آواز نکلی:

"یااللہ! یہ کیسی شرط رکھی تھی اُس نے؟ ہماری بچی کوئی سودے بازی کا سامان ہے کیا؟"

زید کی مٹھیاں بھنچ گئیں، آنکھوں میں شعلے تھے۔

"ابا! آپ نے صحیح کیا۔ یہ شادی کسی صورت نہیں ہو سکتی۔ اگر دشمنی بڑھتی ہے تو ہم سامنا کریں گے۔ خون بہے گا تو بہنے دو، مگر بہن کی عزت پر سمجھوتہ نہیں ہوگا۔"

حنیف نے دونوں کی طرف دیکھا۔ لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں میں نمی جھلکی۔ وہ سخت لہجے میں بولا، مگر آواز میں درد چھپا تھا:

"بیٹے... میں نے بھی یہی کہا تھا وہاں۔ لیکن تم چنگیز کو جانتے نہیں۔ وہ جاہل ہے، ضدی ہے۔ اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گل کی شادی حذیفہ سے فوراً کر دوں۔ کل رات میں نے اپنی بہن کو فون کیا ہے۔ دو دن میں بارات لے کر آجائے گی۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ زید نے حیرانی اور دکھ سے اپنے باپ کو دیکھا، جیسے اس کے الفاظ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ ماں کے ہونٹ کپکپائے مگر وہ کچھ بول نہ سکی۔

کچھ لمحوں بعد بیوی نے دھیرے سے کہا:

"اگرچہ یہ فیصلہ اچانک ہے... مگر شاید یہی بہتر ہے۔ کم از کم گل ایک محفوظ رشتے میں چلی جائے گی۔ اور ہمیں بھی یہ اطمینان ہوگا کہ چنگیز اپنی شرط پوری نہ کر سکا۔"

زید نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے اندر طوفان مچ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بہن کا رشتہ وقت اور عزت کے ساتھ طے ہو، مگر حالات کے سامنے بے بس تھا۔ آخر کار اس نے ہلکی آواز میں کہا:

"ابا... شاید آپ درست سوچ رہے ہیں۔ دشمنی کا بوجھ ایک طرف، بہن کی عزت دوسری طرف۔ اگر یہ قدم اسے بچا سکتا ہے تو ہمیں یہ قبول ہے۔"

ماں نے آہ بھری اور دونوں باپ بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، مگر دل کے کسی کونے میں سکون بھی ہے... جیسے اللہ نے ہمارے لیے کوئی راستہ نکال دیا ہو۔"

حنیف خان نے ان دونوں کی بات سن کر پہلی بار رات بھر کی بے چینی کے بعد ایک ہلکی سی راحت محسوس کی۔ مگر پھر بھی، اس کے دل کے اندر کہیں نہ کہیں یہ خوف زندہ تھا کہ چنگیز خان اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والا نہیں...

گھر میں خوشیوں کی گونج تھی۔ گل خان آج دلہن بنی بیٹھی تھی، سرخ جوڑا اور ہاتھوں میں مہندی کی خوشبو، مگر دل میں انجانی سی گھبراہٹ تھی۔ صحن میں عورتیں گیت گا رہی تھیں، ڈھول کی تھاپ پر بچے بھی جھوم رہے تھے۔ حنیف خان فخر سے اپنی بیٹی کی مسکراہٹ کو دیکھ رہا تھا جبکہ زید خان اپنی بہن کی خوشی میں بے حد مطمئن تھا۔

مگر اچانک... آسمان جیسے پھٹ گیا۔

باہر سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی، اور لمحوں میں وحشت صحن پر چھا گئی۔ عورتوں کی ہنسی چیخوں میں بدل گئی۔ لوگ بھاگنے لگے۔ دروازہ دھڑام سے کھلا اور چنگیز خان

اپنے غنڈوں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں جنون اور بندوق کے نال میں موت تھی۔

وہ دھاڑا:

"گل خان میری ہے! صرف میری! آج سے یہ میری بیوی بنے گی۔"

ہنیف خان آگے بڑھا، تلوار لہراتے ہوئے بولا:

"حرامزادے! آج تو اپنی حد پار کر گیا ہے۔ گل میری عزت ہے، میرے خون کی نشانی ہے۔ تو اسے ہاتھ لگانے کا سوچ بھی نہ۔"

زید خان بھی باپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھوں میں بجلیاں کوندر ہی تھیں۔

مگر چنگیز خان نے قہقہہ لگایا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ دیا۔ لمحوں میں صحن گولیوں سے بھر گیا۔

حنیف خان سینے پر گولی کھا کر زمین پر گرا، آخری دم تک لڑتا رہا مگر جان نہ بچا سکا۔

زید خان نے بے خوفی سے کئی دشمنوں کو ڈھیر کیا، مگر آخرکار وہ بھی لہولہان ہو کر اپنے باپ کے قدموں میں گرا۔

گل کی ماں نے بیٹے اور شوہر کو مرتا دیکھا تو چیختی ہوئی ان کی طرف لپکی، مگر چنگیز کے ایک سفاک گماشتے نے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا۔

قریبی رشتے دار اور گھر کے وفادار بھی ایک ایک کر کے زمیں پر گرتے گئے، جیسے موت نے لمحوں میں پورے خاندان کو نگل لیا ہو۔

گل خان اپنے کمرے کے پردے کے پیچھے کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کے سامنے اس کا پیارا باپ، اس کا بھائی زید، اس کی ماں سب کے سب تڑپ تڑپ کر دم

توڑ گئے۔ اس کے لبوں سے ایک ہولناک چیخ نکلی اور پھر وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑی۔

چنگیز خان نے فاتحانہ قہقہہ لگایا، اس کے آدمی لاشوں کے درمیان گانے اور ڈھول بجانے لگے۔
قلیم اللہ خان نے آواز لگائی:
"یہ ہے چنگیز خان کی فتح! آج سے گل ہماری ہے، اور اس کے خاندان کی کہانی ختم!"

چنگیز آگے بڑھا، بے ہوش گل خان کو اپنی بانہوں میں اٹھایا اور گاڑی کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی اس نے گل کو گاڑی میں ڈالا، خون آلود صحن کی طرف آخری بار مڑ کر دیکھا اور غرور سے بولا:
"یہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں... اور اب گل بھی میری ہے۔"

گاڑی کے دروازے بند ہوئے اور قافلہ دھول اڑاتا ہوا ڈیرے کی سمت روانہ ہو گیا۔ پیچھے صرف خون، لاشیں اور ماتم کی صدائیں رہ گئیں۔

گل خان کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ سر پھٹ رہا تھا، جسم نڈھال تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اندھیرے سمندر سے باہر آ رہی ہو۔ ارد گرد اجنبی سا کمرہ، دیواروں پر جلتی مدھم لالٹینیں، اور دروازے کے باہر پہرے داروں کے قدموں کی آہٹ۔

چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہ سمجھ پائی۔ لیکن پھر اچانک——
اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح وہ سب منظر تیزی سے گھومنے لگے:

——چنگیز خان کے غول کی خوفناک فائرنگ،
——اس کے باپ ہنیف خان کا خون میں لت پت زمین پر گرنا،
——بھائی زید کی آخری چیخ،
——ماں کی سسکیاں،
——اور پھر پورے خاندان کا ایک ایک فرد موت کی نیند سوتا ہوا۔

گل خان نے آنکھیں بند کر لیں، دل تیزی سے دھڑکنے لگا، سانس رکنے کو تھی۔ آنکھیں نم تھیں مگر وہ روئی نہیں... اس کا چہرہ پتھر سا سخت ہو گیا۔

وہ دھیرے دھیرے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ لب کانپے مگر آواز مضبوط تھی:
"یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے... اور اب یہ سب ان ہی کی موت کی وجہ بنے گا۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے دل پر رکھا، جیسے کسی مقدس عہد کی مہر لگا رہی ہو:
"میں اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بھائی، اپنے پورے خون کی قسم کھاتی ہوں... جب تک ان سب کا انتقام نہ لے لوں، مجھے چین نہیں آئے گا۔ ایک ایک خون کا حساب چنگیز خان اور اس کے ساتھیوں سے لوں گی۔"

اسی لمحے کمرہ کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا۔ چنگیز خان فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا:

"تم جاگ گئی ہو میری دلہن؟ یہ حویلی اب تمہارا نیا گھر ہے۔"

گل خان نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ لمحہ بھر کو چنگیز بھی ٹھٹک گیا۔ پھر وہ آہستہ مگر زہر بھری آواز میں بولی:

"یہ تمہارا گمان ہے، چنگیز خان... لیکن یاد رکھنا، یہی گمان تمہیں مار ڈالے گا۔ میں تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی۔"

چنگیز قہقہہ لگا کر پلٹ گیا۔ مگر گل خان کے دل میں اب ایک ہی صدا گونج رہی تھی:

"میں ٹوٹی نہیں ہوں...!

حویلی کے وسیع صحن میں روشنیوں کے چراغ جلائے گئے تھے۔ زمین پر سرخ قالین بچھایا گیا تھا اور ارد گرد بندوق بردار پہرے دار قطار میں کھڑے تھے۔ شہنائی اور ڈھول کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، مگر ان میں خوشی کے بجائے جبر کی گونج تھی۔

بیچوں بیچ کرسی پر گل خان کو بٹھا دیا گیا۔اس کے ہاتھ کھلے تھے، لیکن ارد گرد کے مسلح غنڈے اس طرح کھڑے تھے جیسے ذرا سی حرکت پر گولیاں برسا دیں گے۔ گل خان کی آنکھوں میں آگ بھڑک رہی تھی، مگر ہونٹ خاموش تھے۔

سامنے پورا چنگیز خان کا خاندان موجود تھا۔

سب سے آگے قلیم اللہ خان (چنگیز خان کا باپ) فخر اور غرور سے اپنے بیٹے کی یہ جیت دیکھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ بہادر خان کھڑا تھا،اور اس کی بیوی زلیخا خان اس منظر کو تکبر سے دیکھ رہی تھی۔ان کے بیٹے ذُبیر خان اور بیٹی زنیرہ خان بھی وہیں کھڑے تھے۔

تھوڑا پیچھے چنگیز کی بیوی سحر ش خان اپنے بیٹوں ساتھ موجود تھی، کبیر خان اور سمیر خان کے ساتھ۔۔۔۔

چنگیز خان نے گرج دار آواز میں کہا:

"مولوی... نکاح پڑھا!

نکاح خواں آیا تو نکاح کے الفاظ فضا میں گونجنے لگے۔ جب گل خان سے رضامندی پوچھی گئی تو وہ خاموش رہی۔ مگر چنگیز خان کے غنڈوں نے دھونس اور خوف کے سائے میں زبردستی ہاں کہلوا دی۔

نکاح مکمل ہوتے ہی قلیم اللہ خان نے قہقہہ لگایا اور بلند آواز میں کہا:

"آج سے یہ خانوں کے گھر کی بہو ہے... ہماری عزت ہے!"

بہادر خان نے اپنی بندوق فضا میں چلائی، زلیخا خان مسکرا کر سر ہلانے لگی، جبکہ کبیر خان اور سمیر خان تالیاں بجانے لگے۔ شہنائی اور ڈھول زور زور سے بجنے لگے۔

لیکن گل خان کی آنکھوں میں خوشی نہیں تھی۔ وہ دل ہی دل میں قسم کھا چکی تھی:

"یہ نکاح نہیں... یہ میرے انتقام کی پہلی رات ہے۔ میں ان سب کے خون کا حساب خود لوں گی۔"

رات کی سیاہی حویلی پر پھیل چکی تھی۔ ہر طرف جشن کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کہیں ڈھول بج رہے تھے تو کہیں قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ مگر ایک کمرہ ایسا تھا جہاں موت جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

وہ کمرہ گل خان کا تھا۔
چنگیز خان کے حکم پر اسے قیمتی زیورات پہنائے گئے تھے، سرخ لہنگا سجایا گیا تھا، اور کمرے میں خوشبو دار عود جلایا گیا تھا۔ لیکن گل خان فرش پر بیٹھی تھی، اس کی نظریں بجھے دیے کی لو پر جمی تھیں۔

اس کے ذہن میں اب بھی وہ بھیانک مناظر فلم کی طرح چل رہے تھے—
اپنے ماں باپ کی لاشیں، بھائیوں کے ساکت جسم، اور خون میں لتھڑی ہوئی زمین...

اس کے کانوں میں اب بھی گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

گل خان نے دانت بھینچ کر آہستہ سے کہا:

"چنگیز خان... تم نے سمجھا کہ میرے خاندان کو مٹا کر مجھے توڑ دو گے۔

لیکن سن لو... تم نے ایک انتقام لینے والی عورت کو جنم دیا ہے۔

اب میری ہر سانس... ہر لمحہ... تمہارے خون کا پیاسا ہو گا۔"

اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ باہر سے ایک پرانی خادمہ نے جھانک کر کہا:

"بی بی جی... باہر سب جشن میں مصروف ہیں، کوئی آپ پر دھیان نہیں دے رہا۔"

گل خان نے خادمہ کی آنکھوں میں دیکھا اور سرگوشی میں کہا:

"یہی وقت ہے... میرا پہلا قدم اٹھانے کا۔ تم میرا ساتھ دو گی؟"

خادمہ کانپ گئی، مگر گل خان کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر بوجھل آواز میں بولی:
"جی بی بی... میرا سب کچھ لٹ گیا ہے، اب میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

گل خان نے پردے کے پیچھے چھپی تیز دھار چھری اٹھائی، جو شاید کسی نے جلدی میں وہیں چھوڑ دی تھی۔ اس نے اس چھری کو اپنے آنچل میں چھپا لیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر دل میں دعا کی:
"اے اللہ... مجھے ہمت دینا۔ میں اپنے خاندان کے خون کا حساب لوں گی، ایک ایک خان کو ان کی قبر تک پہنچاؤں گی۔"

کمرے کے باہر جشن جاری تھا، مگر اندر ایک انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی— ایسی آگ جو پورے خاندان کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

کمرے میں نیم اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اونچی چھت پر جھولتے فانوس کی مدھم روشنی قالینوں اور قیمتی پردوں پر پڑ رہی تھی۔ گل خان اب بھی فرش پر بیٹھی تھی، اس کے

لب خاموش تھے مگر آنکھوں میں طوفان چھپا ہوا تھا۔ وہ ابھی خادمہ کے ساتھ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دروازہ زور سے کھلا۔

چنگیز خان اندر داخل ہوا۔

اس کا دبنگ سراپا کمرے کو اپنی ہیبت سے بھر گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح کالی شیروانی میں تھا، چوڑی چھاتی اور بلند قامت وجود۔ اس کے ساتھ ساتھ غصے کی ایک تیز لہر بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

چنگیز کی تیز نگاہ فوراً ملازمہ پر جا پڑی۔

وہ لرز گئی۔

اس نے سر جھکا کر ہکلاتے ہوئے کہا:

"خان... میں تو بس... بس پھل رکھنے آئی تھی..."

چنگیز نے اسے گھورا اور سخت آواز میں بولا:

''بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے کمرے میں آنے کی۔ نکل جاؤ!''

ملازمہ ہڑبڑا کر باہر نکل گئی، دروازہ آہستہ سے بند ہوا۔ اب کمرے میں صرف چنگیز خان اور گل خان رہ گئے۔

چنگیز نے قدم بڑھائے۔ ہر قدم کے ساتھ قالین ہلتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا گل خان کے قریب آیا اور جھک کر اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھایا، پھر نرمی سے پلنگ پر بٹھا دیا۔

وہ ایک لمحہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا، جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں برسوں کی تشنگی بجھا رہا ہو۔
پھر اس نے آہستہ سے گل خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
''تمہیں شاید میرا طریقہ پسند نہ آیا ہو...''

اس نے دھیمے لہجے میں کہا، ''لیکن تمہیں حاصل کرنے کے سوا میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔''

گل خان خاموش بیٹھی رہی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر وہ نظر جھکائے بیٹھی تھی۔

چنگیز نے اس کا ہاتھ تھامے رکھا اور مسکراتے ہوئے بولا:
''جانتی ہو... جب میں نے پہلی بار تمہیں جھیل کے کنارے دیکھا تھا نا... تمہاری آنکھوں میں ایسا عکس تھا کہ بس وہ لمحہ میری زندگی کی خواہش بن گیا۔ تم پانی کے ساتھ کھیل رہی تھیں، اور ہوا تمہارے بالوں کو چھو رہی تھی... مجھے لگا جیسے وقت رک گیا ہو۔ اسی دن دل کہہ بیٹھا تھا کہ تم بس میری ہو۔''

وہ بات کرتے کرتے اور قریب آ گیا۔

اب اس کا چہرہ گل خان کے اتنا قریب تھا کہ وہ اس کی سانسوں کی گرمی محسوس کر رہی تھی۔

چنگیز نے آہستہ سے اپنا دوسرا ہاتھ بڑھایا اور گل خان کے رخسار کو چھوا۔

"تمہارے چہرے کی معصومیت... تمہاری آنکھوں کی گہرائی... یہی تو ہے جس نے مجھے پاگل کر دیا۔"

گل خان کی سانسیں تیز ہو گئیں، مگر وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے دل میں ایک طرف نفرت کی آگ جل رہی تھی، دوسری طرف اپنے خاندان کے لہو کے مناظر تھے۔ مگر اس نے اپنے جذبات کو دبایا اور صرف آنکھیں بند کر کے خاموشی اختیار کی۔

چنگیز نے اس کی خاموشی کو اپنی محبت کا جواب سمجھا اور مسکراتے ہوئے بولا:

"اب تم میری ہو، اور ہمیشہ میری ہی رہو گی۔ چاہے دنیا راضی ہو یا نہ ہو... لیکن تمہیں میرے دل سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

شادی کو تین مہینے بیت چکے تھے۔

محل کے در و دیوار پر اب بھی نئی دلہن کی خوشبو باقی تھی مگر گل خان کے دل میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ جس مسکراہٹ کے ساتھ چنگیز خان کے سامنے بیٹھتی، اس مسکراہٹ کے پیچھے نفرت، جلن اور انتقام کی آگ چھپی ہوتی۔

گل خان جانتی تھی کہ اگر وہ اپنی اصل چالیں ایک دم ظاہر کر دے گی تو سب بگڑ جائے گا۔ اس لیے تین مہینے تک اس نے صبر کا لبادہ اوڑھ کر وقت گزارا۔ وہ ہر محفل میں، ہر مجلس میں ایک فرماں بردار بیوی کی طرح پیش آتی، چنگیز خان کے قدموں میں بیٹھ کر تابعداری دکھاتی، مگر اندر ہی اندر وہ اپنے ماضی کے زخموں کو تیز کرتی رہتی۔

رات کے اندھیروں میں جب سب سو جاتے تو گل خان جاگتی رہتی۔ کبھی کمرے کی کھڑکی سے چاند کو دیکھتی، کبھی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی۔ مگر ان آنسوؤں کے ساتھ اس کے دل میں ایک اور عہد بھی جاگتا:

"اب وقت قریب ہے...اب بدلہ پورا ہوگا۔"

ان تین مہینوں میں اس نے بڑی باریکی سے سب کچھ نوٹ کیا۔ کس ملازم پر اعتبار کیا جا سکتا ہے، کونسی کنیز زبان سے زیادہ چلتی ہے، کس وقت چنگیز خان اکیلا ہوتا ہے، اور کن کمزوریوں کو پکڑ کر اسے جھکایا جا سکتا ہے۔

گل خان نے اپنے کمرے میں چھپی ہوئی ایک پرانی ڈائری میں سب لکھ ڈالا۔ ہر دن کے بعد ایک نئی سطر جڑ جاتی:

"آج بہادر خان کے بیٹے کو محل کے اصطبل میں تنہا دیکھا..."

"چنگیز خان رات گئے شکار سے تھکا ہارا لوٹا، یہ وقت کمزوری کا ہے..."

"نوکرانی زرینہ کی زبان لمبی ہے، اسے قابو میں رکھنا ہوگا..."

اب تین مہینے کے بعد وہ لمحہ آگیا تھا جب سارے منصوبے جڑنے لگے۔ گل خان آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر مسکرائی۔ یہ وہی مسکراہٹ تھی جو دکھانے کے لیے نہیں بلکہ چھپانے کے لیے تھی۔

چنگیز خان کو خبر بھی نہ تھی کہ جس عورت کو وہ اپنی عزت سمجھ کر سب کے سامنے فخر سے پیش کرتا ہے، وہ عورت اندر ہی اندر اس کی بربادی کی تصویر کھینچ رہی ہے۔

گل خان کے لبوں پر ہلکی سی سرگوشی ابھری:
"اب کھیل شروع ہوگا...اور اس بار مات چنگیز خان کو ملے گی۔"

بہادر خان کی حویلی شادی کے رنگوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صحن میں رنگ برنگے کپڑے اور جھرمٹ لگی لڑیاں لہرا رہی تھیں۔ ڈھولک کی تھاپ اور قہقہوں سے فضا گونج رہی تھی۔ یہ بہادر خان کی بیٹی زنیرا کی شادی کا وقت تھا اور پورا خاندان تیاریوں میں مصروف تھا۔

بہادر خان:

گھر کے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ہر چیز پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ کبھی باورچی خانے کی طرف جاتے، کبھی صحن میں آ کر نوکروں کو ڈانٹتے:

"یہ بہادر خان کی بیٹی کی شادی ہے، کوئی کمی نہ ہونی چاہیے۔"

زلیخا (بہادر خان کی بیوی):

جہیز کی چیزوں میں مصروف تھیں۔ زیورات گنتی جاتیں، کپڑے تہہ کرتیں اور بیٹی پر نظر ڈالتی جاتیں۔ بیٹی کی رخصتی کے خیال سے ان کے دل میں خوشی کے ساتھ اداسی بھی گھل رہی تھی۔

زنیرا (دلہن):

آئینے کے سامنے بیٹھی، شرم سے سرخ رخسار لیے ماں کی باتیں سن رہی تھی۔ آنکھوں میں خواب اور دل میں انجانے احساسات جاگ رہے تھے۔

چنگیز خان:
صحن میں ملازموں کو حکم دے رہے تھے۔
"یہ سجاوٹ خاندان کے شایانِ شان ہونی چاہیے۔ یہ صرف بہادر خان کی بیٹی کی شادی نہیں... یہ پورے خان خاندان کی عزت ہے!"
ان کے لہجے میں رعب اور کڑک تھی۔

سحرش خان (چنگیز خان کی پہلی بیوی):
مہمان عورتوں کے ساتھ بیٹھی ڈھولک کی محفل سنبھال رہی تھی۔ اس کی ہنسی اور باتوں میں ایک بیوی اور ماں کی مصروفیت جھلک رہی تھی۔

کبیر خان (سحرش کا بڑا بیٹا):
دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ وہ بار بار کہتا:
"آج کی رات یادگار ہوگی!"
اس کے انداز میں نوجوانی کا جوش نمایاں تھا۔

سمیر خان (سحرش کا چھوٹا بیٹا):

چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف تھا۔ کبھی صحن میں بھاگتا، کبھی باورچی خانے سے مٹھائیاں چرا کر کھالیتا۔ عورتیں ڈانٹتیں مگر وہ مسکرا کر بھاگ جاتا۔

گل خان (چنگیز خان کی دوسری بیوی):

بظاہر مہمانوں اور تیاریوں میں شریک تھی، کبھی زنیرا کو تسلی دیتی، کبھی عورتوں کے ساتھ جا بیٹھتی۔ مگر اندر ہی اندر وہ سب کو تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ دل میں اس کے انتقام کا کھیل پک رہا تھا اور اس شور شرابے کے بیچ بھی وہ اپنے منصوبے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

زبیر خان (بہادر خان کا بیٹا):

مہمانوں کو خوش آمدید کہنے اور دوستوں کے ساتھ شادی کے انتظامات کرنے میں مصروف تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہن کی شادی کی خوشی چمک رہی تھی۔

قلیم اللہ خان (چنگیز اور بہادر خان کا باپ، خاندان کا سربراہ):
بڑے کمرے میں مسند پر بیٹھے تھے۔ ارد گرد بزرگ بیٹھے سن رہے تھے۔ ان کی گونج دار آواز پورے کمرے میں گونجی:
"خاندان کی اصل طاقت اتحاد ہے۔ یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، اس کی نعمتوں کی قدر کرو۔"

آج وہ دن تھا جس کا سب کو انتظار تھا۔ زنیرا کی بارات حویلی میں پہنچ چکی تھی۔ ڈھول تاشے بج رہے تھے، فضا خوشیوں سے گونج رہی تھی۔ صحن میں قہقہے اور مبارک بادوں کی گونج تھی۔ شادی کا سماں اپنی انتہا پر تھا۔

بہادر خان:
دروازے پر کھڑے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے، دور سے آنے والوں کے ساتھ گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے اور کہتے:
"یہ بہادر خان کی بیٹی کی شادی ہے، سب کو خوش آمدید ہے۔"

زلیخا(بہادر خان کی بیوی):

مہمان عورتوں کو سنبھال رہی تھیں۔ کبھی پانی بجھواتیں، کبھی مٹھائیاں تقسیم کرواتیں۔ بیٹی کو کمرے سے جھانکتے دیکھتیں تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔

زنیرا(دلہن):

کمرے کے اندر سجی سنوری، سہیلیوں کے بیچ بیٹھی شرمائی جارہی تھی۔ باہر ڈھولک کی آوازیں اور شادی کی رونقیں سن کر دل کی دھڑکن اور تیز ہورہی تھی۔

چنگیز خان:

صحن میں کھڑا مہمانوں کے ساتھ بار بار بات کررہا تھا۔ فخر سے کہتا:

"یہ خان خاندان کی شان کا دن ہے، اسے تاریخ یاد رکھے گی۔"

اس کے ارد گرد نوجوان مسلسل فائرنگ کررہے تھے۔

سحرش خان(پہلی بیوی):

مہمان عورتوں کے ساتھ ڈھولک پر بیٹھی، ہنسی مذاق میں مصروف تھی۔ شادی کے شور میں اس کی آواز سب سے نمایاں تھی۔

کبیر خان (سحر ش کا بڑا بیٹا):

دوستوں کے ساتھ نعرے لگا رہا تھا۔ وہ فائرنگ کی گونج پر اور بھی پرجوش ہو رہا تھا۔ بار بار کہتا:

"یہی ہے خان خاندان کی خوشی کا انداز!"

سمیر خان (سحر ش کا چھوٹا بیٹا):

چھوٹے کزنز کے ساتھ خوشی میں کودتا پھاندتا پھر رہا تھا۔ کبھی صحن میں ناچنے لگتا، کبھی قہقہے لگاتا۔

گل خان (چنگیز خان کی دوسری بیوی):

ہر طرف کی رونق دیکھ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر وہی پراسرار مسکراہٹ تھی۔

وہ آہستہ آہستہ سمیر خان اور زبیر خان کے قریب آئی اور نرم لہجے میں بولی:

"بیٹا! چھت پر جو لائٹیں لگائی گئی تھیں، وہ خراب ہو گئی ہیں۔ ذرا اوپر جا کے انہیں درست کر دو۔"

زبیر خان (بہادر خان کا بیٹا) اور سمیر خان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس کر کہا:

"جی، ابھی کرتے ہیں!"

دونوں اوپر چلے گئے۔ صحن میں فائرنگ اور ڈھولک کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کہ گل خان بھی آہستہ آہستہ ان کے پیچھے اوپر گئی۔

چھت پر پہنچ کر سمیر خان اور زبیر خان لائٹوں کی طرف رخ کیے مصروف ہو گئے۔ ان کی نظریں سامنے تھیں، پیچھے آنے والے کے قدموں کی آہٹ بھی وہ شادی کے شور میں نہ سن سکے۔

گل خان نے نرمی سے کمر کے پیچھے سے پستول نکالا۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھنڈی مسکراہٹ ابھری۔ ایک لمحے کے لیے آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑکی... پھر ٹھاہ... ٹھاہ... ٹھاہ!

گولیاں سیدھی ان دونوں کے سینے میں لگیں۔

ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر حیرت جم گئی، پھر دونوں بے جان ہو کر نیچے صحن کی طرف لڑھک گئے۔

نیچے لوگ خوشی میں مصروف تھے، فائرنگ کی آوازیں پہلے ہی گونج رہی تھیں۔ اچانک اوپر سے دو لاشیں گرنے کی دھمک سے سب کے چہرے پیلے پڑ گئے۔

"زبیر خان!"

"سمیر خان!"

چیخیں گونج اٹھیں۔ عورتوں کی سسکیاں، مردوں کی دھاڑیں اور مہمانوں کا شور... ہر طرف کہرام مچ گیا۔

گل خان دھیرے سے چھت کی دیوار کے پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک سرد مسکراہٹ تھی۔ کسی نے اسے اوپر جاتے یا واپس آتے نہ دیکھا۔ نیچے افرا تفری تھی، اوپر خاموشی... اور اس خاموشی میں گل خان کے انتقام کی پہلی کامیابی چھپی تھی۔

بارات کی خوشیاں اچانک خون کے رنگ میں ڈوب گئیں۔ صحن میں سب کی نظریں اوپر سے گری ہوئی زبیر خان اور سمیر خان کی لاشوں پر جمی رہ گئیں۔ شادی کی محفل میں بجتے ڈھولک اور ہوائی فائر نگ کی آوازیں اچانک خوف میں بدل گئیں۔

بہادر خان:

لاش کے قریب کھڑے سخت لہجے میں بولے:

"یہ حادثہ نہیں... یہ سیدھا وار ہے۔ کسی نے ہمارے بیٹے کو نشانہ بنایا ہے۔"

زلیخا:

بیٹی زنیرا کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر سکوت اور آنکھوں میں صدمے کی لکیریں تھیں۔

"شادی کا دن... اور یہ خون؟" ان کے لبوں سے بس یہی الفاظ نکلے۔

چنگیز خان:

غصے میں گرجدار آواز بلند کی:

"دشمنوں نے ہماری خوشی کو للکارا ہے۔ محافظ کہاں تھے؟ تلاش کرو، فوراً پتا لگاؤ کہ کس نے یہ حرکت کی ہے!"

سحرش خان (پہلی بیوی):

بیٹے سمیر کی لاش کے قریب کھڑی، پتھرائی ہوئی نظروں سے سب دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی چیخ، نہ کوئی آہ... بس خاموشی جس میں دل کا طوفان چھپا تھا۔

کبیر خان (بڑا بیٹا):

مٹھی بھینچ کر کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں انتقام کی چمک تھی۔

"یہ خان خاندان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ بدلہ ضرور لیا جائے گا۔"

قلیم اللہ خان (سربراہ):

بڑے کمرے سے نکل کر سب کے سامنے آئے۔ سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں کہا:

"یاد رکھو، دشمن یہی چاہتے ہیں کہ ہم ٹوٹ جائیں۔ مگر خان خاندان کبھی بکھرتا نہیں۔ یہ خون کا حساب لیا جائے گا، مگر عقل اور اتحاد کے ساتھ۔"

ہجوم کے پیچھے کھڑی گل خان سب کو دیکھ رہی تھی۔ ہر کوئی صدمے اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا، اور وہ جانتی تھی کہ کسی کو شک تک نہیں۔ اس نے ہلکی سی نظر لاشوں پر ڈالی اور اپنے دل میں آہستگی سے کہا:

"سب کو حادثہ یا دشمنی دکھائی دے رہی ہے... مگر حقیقت صرف میرے ہاتھوں میں ہے۔ یہ تو بس آغاز ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ ابھری، اتنی خاموش کہ شور میں بھی کوئی نہ دیکھ پایا۔

خان حویلی کے بڑے صحن میں دو جنازے رکھے تھے۔ ایک طرف زبیر خان کا جنازہ اور دوسری طرف سمیر خان کا۔

پورا گاؤں، رشتے دار اور قبیلے کے لوگ جمع تھے۔ فضا میں ایک عجیب سا سنّاٹا تھا، جیسے خوشیاں دفن ہو گئی ہوں۔

بہادر خان بیٹے کے جنازے کے سرہانے کھڑے تھے، آنکھوں میں آنسو نہیں مگر چہرے پر سختی اور اندر سے ٹوٹنے کا غم چھپا ہوا تھا۔

زلیخا عورتوں کے درمیان بیٹھی، سر تھامے بس دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی:

''بیٹی کی شادی کے دن بیٹے کا جنازہ... یہ کیسا امتحان ہے خدا کا...''

سحرش خان اپنے بیٹے سمیر خان کے تابوت پر ہاتھ رکھ کر پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہیں، جیسے جان ہی نکل گئی ہو۔

کبیر خان جوانی کے جوش میں مٹھی بھینچے کھڑا تھا، آنکھوں میں صرف انتقام کی آگ تھی:

"یہ خون رائیگاں نہیں جائے گا... جس نے یہ کیا ہے وہ زندہ نہیں بچے گا..."

چنگیز خان سخت لہجے میں قبیلے کے نوجوانوں کو حکم دیتا رہا:

"محافظی سخت کرو! یہ ہمارے خاندان پر وار ہے۔ دشمن کو ڈھونڈو، چاہے زمین پھٹ جائے یا آسمان ٹوٹے، قاتل کو ڈھونڈنا ہو گا!"

قلیم اللہ خان سب سے آگے کھڑے سب کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے بولے:

"یاد رکھو! یہ خان خاندان ہے۔ ہم غم میں کمزور نہیں پڑتے، اور نہ ہی دشمن کو سر جھکانے کا موقع دیتے ہیں۔ یہ خون ہمیں اور مضبوط کرے گا۔"

فضا میں چیخ و پکار نہیں تھی، بس بھاری خاموشی اور سخت لہجوں کے سائے تھے۔

لوگوں نے دونوں نوجوانوں کے جنازے کندھوں پر اٹھائے اور جنازہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جنازے کے بعد، اسی دن شام کو زنیرا کی رخصتی کی تیاری ہوئی۔
اب وہ دلہن نہیں بلکہ صبر کی علامت لگ رہی تھی۔ خوشیوں کے رنگ کہیں کھو گئے تھے۔

بہادر خان نے بیٹی کا ہاتھ شوہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بس اتنا کہا:
"بیٹی، اپنے گھر کی عزت بن کر جانا۔ آج تیرا باپ تجھے خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ صبر کے ساتھ رخصت کر رہا ہے۔"

زلیخا نے بیٹی کو گلے سے لگایا، آنکھیں بھر آئیں مگر روئی نہیں۔ صرف دعا دی:
"اللہ تجھے سدا خوش رکھے... تیرے نصیب روشن ہوں۔"

چنگیز خان نے باراتیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:
"یہ رخصتی ہماری مجبوری ہے، ورنہ آج کا دن خان خاندان میں صرف غم کا دن ہے۔"

یوں، زنیرا کی رخصتی بڑی سادگی سے کر دی گئی۔ نہ ڈھول، نہ ناچ، نہ ہنسی۔ صرف خاموشی، صبر اور آنکھوں میں چھپا ہوا غم۔

جنازے کے بعد جب شام کو زنیرا کی رخصتی ہو رہی تھی تو پورے خان خاندان پر غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہر کوئی دل ہی دل میں ٹوٹا ہوا تھا مگر ظاہری طور پر سخت اور صابر بنے بیٹھے تھے۔

اسی دوران، گل خان حویلی کے ایک کونے میں کھڑی سب کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

جب اس کی نظریں سحرش خان پر پڑیں تو اس کے دل میں ایک عجیب سی ٹھنڈک اتر آئی۔ وہ سوچنے لگی:
"کل تک یہ عورت اپنے بیٹوں پر فخر کرتی تھی... آج ایک جنازے کے سامنے پتھرائی بیٹھی ہے۔ میرا وار کامیاب رہا..."

پھر اس نے بہادر خان کو دیکھا، جو بیٹی کی رخصتی میں آنسو چھپاتے ہوئے بس صبر کا سہارا لے رہا تھا۔ گل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری:

"یہ تو شروعات ہے... ابھی میرے انتقام کی آگ کو اور بھی ایندھن ملے گا..."

سب لوگ زنیرا کو رخصت کرنے میں لگے تھے لیکن گل خان کی نظریں اس رخصتی پر نہیں بلکہ اپنے دل کے سکون پر تھیں۔

اندر ہی اندر وہ سرگوشی کرتی گئی:

"یہی وہ دن تھا جس کا میں نے خواب دیکھا تھا... خان خاندان کے غرور کو، ایک ایک کر کے زمین پر لانے کا..."

جب سب لوگ رخصتی اور غم میں الجھے تھے، گل خان اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ بند کیا، آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور آہستہ سے اپنے آپ سے بولی:

"ابھی کھیل باقی ہے... ابھی بہت سے چراغ بجھنے ہیں..."

ایک مہینہ بعد

حویلی میں صبح کے وقت وہی پرانی رونقیں واپس آنے لگی تھیں۔ صحن میں نوکر خادم پھر سے مصروف تھے۔ مگر اس بار ماحول میں ایک ان دیکھا بوجھ چھپا ہوا تھا۔

قلیم اللہ خان (بزرگ خان)

صبح فجر کے بعد برآمدے میں بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ چہرہ سکون والا ضرور تھا مگر آنکھوں میں گہری فکر تھی۔ وہ سوچ رہے تھے:
"ایک مہینہ گزر گیا، مگر قاتل کا سراغ تک نہ ملا... خاندان کے دشمن بہت ہیں، مگر یہ وار اندر کے کسی ہاتھ کا بھی ہو سکتا ہے..."

چنگیز خان

کمرے میں بیٹھے چند محافظوں سے سخت لہجے میں بات کر رہے تھے:

"ایک مہینہ گزر گیا اور تم لوگ کچھ نہ کر پائے! میرا بیٹا اور میرا بھتیجا مارے گئے اور قاتل آج بھی آزاد گھوم رہا ہے۔ یہ نااہلی ہے!"

محافظ خاموش کھڑے سر جھکائے کھڑے تھے۔

بہادر خان

اپنے کمرے میں بیٹھے تھے۔ سامنے میز پر بیٹی زنیرا کی تصویر رکھی تھی جسے وہ بار بار دیکھ رہے تھے۔ تصویر کو ہاتھ لگا کر آہستہ سے کہتے:

"زنیرا کی خوشیاں سلامت رہیں، یہی میری دعا ہے... مگر زبیر کا خون کبھی نہیں بھول سکتا..."

ان کی آنکھوں میں بیٹے کی جدائی کا کرب اور بیٹی کی یادوں کی نمی ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔

زلیخا (بہادر خان کی بیوی)

صحن میں نوکروں کو ہدایات دے رہی تھیں، مگر آواز پہلے جیسی شوخ اور بلند نہ تھی۔ وہ سب کے سامنے حوصلہ دکھاتی تھیں، لیکن تنہائی میں اکثر اپنے بیٹے کی الماری کھول کر اس کے کپڑوں کو دیکھ کر خاموشی سے بیٹھی رہتیں۔

سحر ش خان (پہلی بیوی)

بیٹے سمیر خان کے کمرے کو ویسا ہی رکھا ہوا تھا۔ کسی کو وہاں کچھ چھیڑنے نہ دیتیں۔ دن میں اکثر وہ وہاں جا کر بیٹھی رہتیں اور گھنٹوں خاموش رہتی تھیں۔ ان کے چہرے پر صبر کی لکیریں ضرور تھیں مگر دل کی تپش چھپی نہ رہتی۔

کبیر خان (بڑا بیٹا)

شام کے وقت اکثر تنہا اسلحہ خانے میں بیٹھتا۔ بندوقیں اور خنجر صاف کرتا اور زیرِ لب کہتا:

’’جس نے میرے بھائی کو مارا ہے... وہ بچ نہیں سکتا۔ خان کے خون کا بدلہ خان ہی لے گا۔‘‘

اس کی آنکھوں میں مسلسل چمکتی ہوئی چنگاری صاف نظر آتی تھی۔

گل خان (دوسری بیوی)

یہ سب دیکھ کر سب سے زیادہ مطمئن وہی تھی۔ گھر کے ہر فرد کو غم میں ڈوبا دیکھ کر، دل ہی دل میں سکون محسوس کرتی۔ کسی کو شک بھی نہ تھا کہ اصل وار اسی کے ہاتھ سے ہوا۔

رات کے وقت جب سب اپنے کمروں میں جا چکے ہوتے، وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر دھیرے سے مسکرا دیتی اور خود سے کہتی:

"سب اپنے دکھ میں الجھے ہیں... اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کہانی کی ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ تو صرف شروعات تھی..."

رات گہری ہو چکی تھی۔ چاندنی کی ہلکی روشنی جنگل کے پتوں سے چھن چھن کر زمین پر پڑ رہی تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سنسان فضا تھی۔

کبیر خان اکیلا جنگل میں کھڑا تھا، اس کے زخم سے خون رس رہا تھا۔ وہ الجھا ہوا سا ارد گرد دیکھ رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں سے ایک دبلا پتلا آدمی نکلا۔

آدمی سرگوشی میں بولا:

"خانزادے... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، زبیر خان اور سمیر خان پر حملہ باہر سے نہیں ہوا... قاتل کوئی اپنا تھا۔ میں جانتا ہوں وہ کون ہے، بس آپ کو میرا حق دینا ہوگا۔"

کبیر خان (سخت لہجے میں)

"کون ہے؟ صاف صاف بتا!"

آدمی (ڈرتے ہوئے) "گل خان... ہاں وہی ہے... یہ سب اسی کا کھیل تھا... اس نے کسی کو ساتھ ملا کر یہ سب کروایا۔"

یہ سنتے ہی کبیر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ لمحہ بھر رکا، پھر اچانک اپنی کمر سے خنجر نکالا اور آدمی کی گردن پر پھیر دیا۔۔۔

چھری کی آواز... چیخ دب جاتی ہے...

کچھ ہی لمحوں میں آدمی زمین پر تڑپتے تڑپتے ساکت ہو گیا۔ کبیر نے اپنے کپڑوں سے خون صاف کیا اور بھاری سانس لیتے ہوئے بڑبڑایا:
"یہ راز اب میرے اور میرے تایا کے درمیان ہی رہے گا..."

کبیر نے اپنا فون نکالا، ہاتھ خون سے بھیگا ہوا تھا۔ نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

"تایا بہادر خان... مجھے آپ سے فوراً بات کرنی ہے... ابھی حویلی کے پیچھے جنگل میں آجائیں۔ میں نے وہ سراغ پالیا ہے جو سب کچھ بدل دے گا۔"

کچھ دیر بعد بہادر خان وہاں پہنچے۔ ان کے قدموں کی چاپ سن کر کبیر نے انہیں استقبال کے لیے اشارہ کیا۔

کبیر خان:

تایا! آخر کار میں نے حقیقت جان لی ہے... یہ قتل دشمنوں کا نہیں تھا... یہ گل خان کا کھیل ہے۔ اور اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اسے کیسے بے نقاب کرنا ہے..."

کبیر خان اور بہادر خان کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ جنگل کی خاموشی میں صرف ان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ دونوں کو اندازہ نہیں تھا کہ درختوں کے پیچھے ایک اور شخص بھی موجود ہے۔

حذیفہ خان درخت کی اوٹ میں کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور پریشانی کی ملی جلی جھلک تھی۔

جنگل سے نکلتے ہی حذیفہ نے جلدی سے فون نکالا اور گل خان کا نمبر ملایا۔
فون ملتے ہی دبی آواز میں بولا: گل... کبیر خان اور بہادر خان حقیقت جان چکے ہیں۔
تمہارا شک سہی نکلا کبیر یہاں سراغ ڈھونڈنے ہی آیا تھا۔۔اور پتہ نہیں کیوں اس نے اس آدمی کو بھی مار دیا جس نے اسے سچ بتایا تھا۔۔۔

ہمم میں جانتی تھی کہ ایسا ہی کچھ ہو گا... ابھی، اسی وقت! ان دونوں جان سے مار دو ۔۔اتنا کہ کر گل فون بند کر دیتی ہے۔۔۔۔
کبیر اور بہادر خان اب بھی گفتگو میں مصروف تھے۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ ان کی موت کتنی قریب ہے۔
بہادر خان غصے اور حیرانی بھرے لہجے میں کہتا ہے۔۔۔
"کبیر! یہ کیا کر دیا تم نے؟ خون بہانا اتنا آسان لگتا ہے تمہیں؟"

کبیر خان بے چین لہجے میں بہادر خان سے کہتا ہے۔۔۔

"تایا جان! یہ سب سچ تک پہنچنے کے لیے ضروری تھا۔ دشمن ہمارے بیچ ہے۔"

اندھیرا اور بھی گہرا ہو گیا۔ بادلوں نے چاند کو ڈھانپ لیا۔ اچانک ایک سایہ آہستہ آہستہ ان دونوں کے قریب آیا۔ وہ حذیفہ خان تھا۔

حذیفہ سرد لہجے میں ان دونوں سے کہتا ہے۔۔

"دشمن کہاں ہیں...؟ دشمن تو تم دونوں ہو۔"

کبیر اور بہادر دونوں چونک گئے۔

بہادر خان غصے سے حذیفہ خان کو دیکھ کر کہتا ہے...

"حذیفہ! تم...؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

حذیفہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا میں یہاں انصاف کرنے آیا ہوں... آج کی رات فیصلہ کن اور انصاف کی رات ہے۔

اچانک حذیفہ نے بندوق اٹھائی اور فائر کیا۔ گولی سیدھی کبیر کے بازو کو چھید گئی۔ کبیر کراہ اٹھا اور زمین پر گر پڑا۔

بہادر نے بھی اپنی بندوق نکالی اور فوراً جواب دیا۔ گولی قریب سے گزری مگر حذیفہ بچ گیا۔

کبیر نے زخمی ہاتھ سے پستول اٹھا کر اندھیرے میں حذیفہ پر فائر کیا۔ گولی سیدھی حذیفہ کی ٹانگ میں لگی اور وہ زمین پر گر پڑا، مگر اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ اب بھی بھڑک رہی تھی۔

کبیر غصے اور زخمی لہجے میں حذیفہ سے کہتا ہے۔۔۔

"تم ہمیں دھوکا دے رہے ہو... اپنے ہی دوست کو مارو گے؟"

حذیفہ (ہنستے ہوئے) دھوکا؟ دھوکا تو تم نے دیا ہے! اور آج اس کا حساب ہو گا۔

بہادر خان نے آگے بڑھ کر حذیفہ پر حملہ کیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔

کبیر نے گن اٹھائی، مگر جیسے ہی اس نے نشانہ لیا، حذیفہ نے جھپٹ کر اسے دھکیل دیا۔ گن ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

زخمی ہونے کے باوجود حذیفہ نے پوری طاقت سے ہتھیار دوبارہ اٹھایا۔ اندھیرے میں فائر کی آواز گونجی۔
پہلی گولی کبیر کے سینے میں لگی۔ وہ چیخ کر زمین پر گر گیا، اس کی سانسیں رکتی چلی گئیں۔

بہادر خان نے غصے اور درد میں للکار کر حذیفہ پر جھپٹا، مگر حذیفہ نے دوسرا فائر کیا۔

گولی سیدھی بہادر خان کے دل کو چیر گئی۔ وہ کچھ لمحے تڑپتا رہا اور پھر موت کی نیند سو گیا۔۔

اب جنگل میں پھر سنّاٹا چھا گیا۔ زمین پر کبیر اور بہادر کے لاشے پڑی تھیں۔ چاند بادلوں سے نکل کر ان پر ہلکی روشنی ڈال رہا تھا۔

حذیفہ ہانپتا ہوا، خون آلود کپڑوں اور زخمی ٹانگ کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ دیر بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔۔۔

صبح کا وقت تھا۔ سورج کی نرم روشنی حویلی کے بڑے صحن میں اتر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ پرندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پورے گھر میں ایک عجیب سی مصروفیت پھیلی ہوئی تھی۔

سحر ش خان باورچی خانے میں خادماں کے ساتھ ناشتہ تیار کر رہی تھی۔

دوسری طرف زلیخا بیگم صحن کے کونے میں بیٹھ کر ملازماؤں کو صبح کے جھاڑو پونچھ کی ہدایت دے رہی تھی۔

حویلی کے سب سے بڑے، قلیم اللہ خان، کمرے میں بیٹھے تھے

پورا گھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ ہر شخص کو اپنے معمولات میں الجھا ہوا دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے زندگی دوبارہ اپنے معمول پر آ گئی ہو۔

مگر ان سب ہلچل سے الگ، اوپر کی منزل پر اپنے کمرے میں گل خان اکیلی بیٹھی تھی۔
کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ اس کے سامنے دیوار پر وہی بورڈ لگا تھا جس پر سب مردوں کی تصویریں لگی تھیں۔

سمیر خان اور زبیر خان کی تصویروں پر پہلے ہی سرخ کراس تھا۔

کبیر خان اور بہادر خان کی تصویروں پر بھی سرخ نشان لگ چکے تھے۔

گل خان نے ہاتھ میں سرخ مارکر پکڑا ہوا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے بورڈ کے قریب گئی اور پھر قلیم اللہ خان کی تصویر پر انگلی رکھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک ابھری اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔
وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔۔۔سب اپنے اپنے کاموں میں مگن ہیں... کسی کو خبر بھی نہیں کہ اب ان کی باری آنے والی ہے۔
قلیم اللہ خان... تم اس خاندان کے ستون ہو، لیکن یاد رکھنا، جب ستون گرتا ہے تو ساری حویلی ہل جاتی ہے۔
اب میرا اگلا وار تم پر ہو گا۔"

اس نے مار کر اٹھایا اور تصویر پر ہلکی سی لکیر کھینچتے ہوئے کر اس بنانے لگی۔ کمرے میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا، اور صبح کی تازگی کے بیچ یہ لمحہ ایک نئے طوفان کا آغاز کر رہا تھا۔

بڑے ہال میں دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ ناشتہ پوری شان و شوکت سے تیار تھا۔

قلعیم اللہ خان اپنے مخصوص انداز میں دستر خوان پر بیٹھے تھے۔
زلیخا بھی وہی موجود تھی لیکن اس کا دل انجانے احساسات سے پریشان تھا۔۔۔

چنگیز خان اور اس کی پہلی بیوی بھی دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔۔
سب کو گل خان ناشتہ پیش کر رہی تھی۔ کبھی کسی کے سامنے چائے رکھتی، کبھی پراٹھے بڑھاتی، تو کبھی کچھ۔۔۔۔

ماحول بالکل پر سکون اور نارمل لگ رہا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے ذائقے میں مصروف تھے۔

اتنے میں حویلی کے دروازے کی جانب شور اٹھا۔ ایک آدمی ہانپتا ہوا، پسینے میں شرابور بھاگتا آیا۔

اس کی آنکھوں میں خوف اور چہرے پر کپکپاہٹ تھی۔ وہ ہال میں داخل ہوتے ہی زور سے چلایا:

خان صاحب... جنگل سے دو لاشیں ملی ہیں... وہ... وہ کبیر خان اور بہادر خان کی ہیں!

یہ سنتے ہی پورے ہال میں سناٹا چھا گیا۔

چنگیز خان کا ہاتھ ہوا میں رک گیا، جو ابھی نوالہ منہ تک لے جا رہا تھا۔

زلیخا بیگم کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

پھر اچانک ہال میں چیخ و پکار گونج اٹھی۔

زلیخا بیگم روتے ہوئے زمین پر گر گئیں:

میرے شوہر... میرے کبیر بیٹے کو کس نے مار ڈالا..."

چنگیز خان غصے اور دکھ کے ملے جلے انداز میں کھڑا ہوا، اس کی آواز گرج اٹھی:

"یہ کس نے کیا ہے؟!! کس نے ہمارے خون پر ہاتھ ڈالا ہے؟!!"

قلیم اللہ خان نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، ان کے چہرے پر صدمے اور بے بسی کی جھلک نمایاں تھی۔

سب شور و غل میں مصروف تھے،

اور کوئی یہ نہ دیکھ پایا کہ دستر خوان کے کونے پر کھڑی گل خان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی پراسرار مسکراہٹ ابھری۔

اس نے جھکی ہوئی نظریں رکھتے ہوئے خالی پلیٹیں سمیٹنی شروع کیں، جیسے اس خبر سے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں ایک اور خفیہ راز چھپا تھا... وہ جانتی تھی، یہ کھیل ابھی ختم نہیں ہوا۔۔۔

صبح کے وقت سے ہی حویلی میں ماتم چھایا ہوا تھا۔

سب لوگ ابھی تک صدمے میں تھے کہ جنگل سے کبیر خان اور بہادر خان کی لاشیں لائی گئی تھیں۔۔۔

پورا گھر ایک صدمے، خوف اور بے بسی کے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔

مرد ایک دوسرے سے سرگوشی کر کے یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔

ہر طرف دکھ، غصہ، اور حیرت کے ملے جلے جذبات کی کیفیت تھی۔

زلیخا بیگم، جو بہادر خان کی بیوی تھی، صدمے میں مکمل طور پر پاگل ہو گئی تھی۔

وہ کبھی چیخ رہی تھی تو کبھی اپنے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپتی اور کہتی کہ میرا خان آجائے گا یہ سب جھوٹ ہے۔۔۔۔

گھر کے بڑے ہال میں سب لوگ جمع تھے۔ فضا اب بھی ماتم اور کرب سے بھری ہوئی تھی۔

کبیر خان کی لاش دیکھ کر سحر ش خان یک دم فرش پر گر گئی تھی۔۔

کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر اس کا معائنہ کر رہا تھا
اس نے سہریش کے ہاتھ پاؤں، آنکھوں اور دل کی دھڑکن چیک کی۔

پھر سب کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولا:
"یہ زندہ ہیں مگر... شدید صدمے کی وجہ سے فالج ہو گیا ہے۔ یہ اب بول نہیں سکیں گی اور نہ ہی اپنے جسم کو ہلا سکیں گی۔"
یہ خبر سن کر چنگیز خان نے بے بسی سے سر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

ڈاکٹر ابھی سحریش کا معائنہ کر کے کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ اچانک ایک ملازمہ عورت دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔
اس کی سانس پھولی ہوئی تھی، آنکھوں میں خوف تھا۔

وہ ہانپتے ہوئے بولی: ڈاکٹر صاحب... جلدی آیئے... بڑے خانزادہ... قلیم اللہ خان کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے!"

یہ سنتے ہی سب لوگ سکتے میں آ گئے۔

سہریش بستر پر بے جان پڑی تھی۔

اور اب خبر ملی کہ گھر کے سب سے بڑے ستون، قلعیم اللہ خان کی جان کو بھی خطرہ ہے۔

ڈاکٹر تیزی سے ملازمہ کے ساتھ اندر کی طرف دوڑا۔

چنگیز خان اور باقی مرد بھی فوراً پیچھے لپکے۔۔۔

عورتوں کے رونے کی آوازیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔ بچے خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ مرد سب کچھ دیکھ کر چپ تھے، جیسے زبانوں پر تالے لگ گئے ہوں۔

ہر کسی کے دل میں ایک ہی سوال تھا:

"آخر یہ سب ایک ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا واقعی یہ سب محض حادثہ ہے... یا کسی کی سازش؟"

قلیم اللہ خان بستر پر نیم بے ہوش پڑے تھے، سانسیں اٹک اٹک کر چل رہی تھیں۔
چنگیز خان گھبراہٹ میں ان کے قریب جا بیٹھا، ہاتھ تھام کر بولا: ابا جان! آپ کو کچھ نہیں ہو گا... پلیز آنکھیں کھولیں... مجھے چھوڑ کے نہ جائیں۔"

ڈاکٹر نے بلڈ پریشر اور دل کی دھڑکن چیک کی، مگر چند لمحوں بعد اس کے چہرے کا رنگ اتر گیا۔
اس نے ایک لمبی سانس بھری اور آہستہ سے بولا: انا للہ و انا الیہ راجعون... قلیم اللہ خان دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ یہ بیٹے اور پوتے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکے۔

دوپہر کے دو بج رہے تھے۔۔۔ قلیم اللہ خان؛ بہادر خان اور کبیر خان کا جنازہ پڑھا کر ان کو دفن کر دیا گیا تھا۔۔۔
جب چنگیز خان واپس گھر آیا تو پورا گھر اب صدمے اور حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

لوگ ایک دوسرے سے سرگوشی کر رہے تھے یہ سب اس گل کے آنے کے بعد ہوا ہے جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی منحوس ہے۔۔۔اللہ پناہ دے ایسی عورت سے۔۔۔ان کے گھر کو کسی کی کالی نظر لگی ہے۔۔۔۔

تین مہینوں بعد

صبح کا وقت تھا۔حویلی کے صحن میں روشنی آرہی تھی، مگر ماحول سنسان تھا۔
زلیخا بیگم اپنے بھائی کے ساتھ یورپ روانہ ہوگئی تھی تاکہ صدمے سے کچھ دیر کے لیے دور رہ سکے۔

سحرش خان کی بہن، اپنی ذمہ داری کے تحت، سحرش کو لے کر کراچی چلی گئی تھی تاکہ وہ محفوظ رہیں اور ماحول میں تبدیلی کی ان کو سخت ضرورت تھی تاکہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے۔۔۔

اب حویلی میں صرف چند افراد باقی تھے

گل خان، جو ہر وقت ایک پراسرار خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود رہتی تھی۔
چنگیز خان، جو اب اپنے والد اور بھائی کے انتقال کے بعد مکمل طور پر ٹوٹ چکے تھے، لیکن اب اپنی بیوی اور آنے والے بچے کے لیے کچھ ہمت جٹا رہے تھے۔

ہال خالی تھا، صحن سنسان اور دروازے بند تھے۔ صدمے اور خوف کی گہری چھاپ ہر کونے میں نمایاں تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی تو دے رہی تھی مگر یہ سننا بھی ایک عجیب سا تنہا احساس دے رہا تھا۔

گل خان کمرے میں کھڑی تھی، خاموش، پرسکون اور ہر حرکت میں پراسرار۔ اس کے چہرے پر وہی منفرد مسکراہٹ تھی جو ہر حادثے کے بعد ظاہر ہوتی تھی۔
وہ اپنے آنے والے بچے کی طرف دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دے رہی تھی، جیسے یہ سب خوف اور موت کا ماحول صرف اس کے لیے ایک کھیل ہو۔۔۔

چنگیز خان صحن میں کھڑا، خالی کمرے اور سنسان ماحول دیکھ کر بے بسی سے سوچ رہا تھا۔۔۔اب صرف ہم دونوں رہ گئے ہیں...اور یہ ننھا سا وجود جو آنے والا ہے... یہ سب کیسے سنبھالیں گے؟"

اس کی آنکھوں میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔۔۔وہ کہی سے بھی پہلے والا چنگیز خان نہیں لگ رہا تھا۔۔۔

حویلی خالی تھی، مگر ہر کمرے میں موت اور صدمے کی گونج باقی تھی۔

گل خان کی پراسرار موجودگی اور آنے والا بچہ، دونوں، اس خالی حویلی میں ایک نیا تنازعہ اور کہانی کی بنیاد بنتا ہے یا نہیں یہ صرف وقت جانتا تھا۔۔۔۔

خان مجھے قبرستان جانا ہے۔۔۔گل چنگیز خان کے پاس آتے ہوئے کہتی ہے۔۔۔

قبرستان چنگیز خان اس کی طرف مڑتے ہوئے پوچھتا ہے...

گل خان اثبات میں سر ہلاتی ہے...

اوکے آجاؤ...اتنا کہتے ہی چنگیز خان باہر کا رخ کرتا ہے...اس کے پیچھے ہی گل بھی جاتی ہے....

وہ قبرستان پوہنچے ہی تھے... جب چنگیز خان کی نظر سامنے موجود 2 خالی قبروں پر جاتی ہے... یہ کس کمبخت نے ایسے ہی کھودی ہیں... چنگیز خان ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہتا ہے...

یہ تمہاری اور تمھارے ہونے والے بچے کی قبر ہے... گل اس کے سامنے آتے ہوئے کہتی ہے...

کیا مطلب... چنگیز نا سمجھی سے پوچھتا ہے....

اس کی بات سن کر گل اس کو سب کچھ بتانا شروع کرتی ہے....

کیسے وہ اس کے گھر والوں کو قتل کرتا ہے اور کیسے وہ اس کے گھر والوں کو پھر ختم کرتی ہے....

اس کی ساری باتیں سن کر چنگیز خان ایک دم دو قدم پیچھے لیتا ہے...

اور نیچے بیٹھ جاتا ہے.... اور پھر اٹھ کر اپنی پستول گل کے ہاتھ میں دیتا ہے...

یہ لو مار دو مجھے میں اسی کا حقدار تھا اور ہوں.... لیکن میری ایک آخری بات مانو گی...

چنگیز گل کو پسٹل دیتے ہوئے کہتا ہے... اور آخر میں پوچھتا ہے....

اس کی بات سن کر گل کچھ لمحے خاموش رہتی ہے اور پسٹل کی جانب دیکھتی ہے...

پھر پستول کو تھام کر اس سے پوچھتی ہے...

ہمم بتاؤ کیا ماننا ہے....

یہی کہ تم ہمیشہ میرے نام سے رہو گی اور میرے بچے کا خیال رکھو گی اس کو نہیں مارو گی

چنگیز کی بات سن کر گل خان اس کی جانب دیکھتی ہے....

یہ مجھ پر ہے کہ میں کیا کروں گی اور کیا نہیں....

اس کی بات سن کر چنگیز خان مسکرا دیتا ہے... خانم اگر تم کو مجھ سے محبت ہوئی نہ تو تم ویسا ہی کرو گی جیسا میں تم کو بولا ہے.....

اب گولی مارو ہم کو جانا ہے....

چنگیز اس کو گلے لگاتے ہوئے کہتا ہے...

گل اس کو پیچھے کی طرف دھکا دیتی ہے... وہ جیسے ہی اس کی طرف پستول کا منہ کرتی ہے تو اس کے ہاتھ کانپتے ہیں.... لیکن وہ آنکھیں بند کر کے اپنا ماضی یاد کرتی ہے اور گولی چلا دیتی ہے.... ٹھاہ

ٹھاہ

ٹھاہ

وہ ایک ساتھ ہی چنگیز خان کے سینے میں تین گولیاں اتار دیتی ہے....

کچھ دیر وہ ایسے ہی بدحواسی سی ہو جاتی ہے....
لیکن کچھ دیر بعد ہی روتی ہے...اور خود سے کہتی ہے...میں خیال رکھوں گی تمھارے بچے کا...اور خود کو ہمیشہ تمھارے نام رکھوں گی......

ختم شد